ہماری نگاہ میں بُری طرح کھٹکتی ہے۔ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت بالاو برتر ہیں کہ ان کو کسی غیر مسلم کے سرٹیفکیٹ یا شہادت (TESTIMONIAL) کی حاجت ہو جس اندھے کو قرآن اور سیرت محمدیؐ میں نورِ حق نظر ہی نہ آیا، یا جس بندۂ ہوس نے حق کو حق جاننے کے باوجود اس کا اتباع کرنے کی جراُت نہ کی، وہ کہاں اس قابل ہو سکتا ہے کہ اللہ کے دین اور اس کے نبی کے متعلق اس کی رائے کو کوئی وزن دیا جائے۔

مضامین محمد علی (حصہ اوّل) مرتبہ محمد سرور صاحب استاذ تاریخ اسلام، جامعہ ملیہ، دھلی ضخامت ۵۹۰ صفحات مجلد بجلد نفیس۔ قیمت ع۴ؔ۔ مکتبہ جامعہ، دھلی۔

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد مسلمانوں کی تاریخ ۲ دوروں پر تقسیم کی جاسکتی ہے پہلا دَور سر سید احمد خاں کا دَور ہے جس میں مسلمان، ایک مسلک اور ایک مشن رکھنے والی جماعت کے بجائے محض ایک "قوم" بن کر رہ گئے اور اس قوم کی پالیسی یہ قرار پائی کہ اپنی دنیا بنانے کے لیے وقت اور موقع کے لحاظ سے جو طریقہ کارگر نظر آئے بے تکلف استعمال کیا جائے۔ اگرچہ نام پھر بھی اسلام اور مسلمان ہی کا لیا جاتا تھا مگر جو ذہنیت اس دَور میں کارفرما تھی اس کا عطر حالی نے اپنے اس مصرع میں کھینچ کر رکھ دیا ہے کہ "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"۔ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ زمانہ میں یہ دَور اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ گیا اور اس کے بعد اسی کے بطن سے ایک دوسرا دَور پیدا ہوا جسے محمد علی، ابوالکلام اور اقبال کا دَور کہنا چاہیے یہ دَور متضاد اور بے جوڑ عناصر کا ایک ایسا عجیب مجموعہ تھا جس کے مختلف اجزاء میں کوئی منطقی ربط نہ تھا اور اسی لیے آخر وقت تک ان کی ترکیب سے کوئی متحد المزاج نظامِ فکر و عمل نہ بن سکا۔ ایک طرف تو اس دَور میں وہ اسلامی شعور جو دَورِ اول میں موت کے قریب پہنچ چکا تھا، از سرِ نو بیدار ہوا اور لوگ اسلام کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے لگے، مگر دوسری طرف وہ "مسلم قومیت" جو دَورِ اول میں پیدا ہوئی تھی ترقی کر کے "مسلم قوم پرستی" میں تبدیل ہو گئی، اور اس دَور کے رہنما آخر وقت تک اسلام اور مسلم قوم پرستی کے اصولی فرق کو نہ سمجھ سکے۔ ایک طرف اسلام کا نظریۂ اجتماع اور تصورِ حکومت واضح صورت میں لوگوں کے

سامنے آیا، اور دوسری طرف اُس بے معنی خلافت کی حمایت بھی کی گئی جس پر اسلامی اصطلاح "خلافت" کا اطلاق کسی طرح نہ ہو سکتا تھا، اُس ہندوستانی سوراج کے اندر اپنی جگہ بھی تلاش کی جاتی رہی جس کا بنیادی نظریہ اسلام کے نظریۂ سیاسی سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہ رکھتا تھا، اُس غلط جمہوریت کو بھی تسلیم کر لیا گیا جو اسلام کے تصورِ جمہوریت سے کلیتہً و اصولاً مختلف تھی۔ پھر ایک طرف تو اس دور میں خالص اسلامی آئیڈیلیزم کی جھلک نظر آتی ہے، اور دوسری طرف ماحول کو ساز گار بنانے کے بجائے خود ماحول سے ساز گار بننے کی کمزوری بھی پائی جاتی ہے، اور تمام دماغی و عملی قوتیں وقتی و ہنگامی حالات کے لحاظ سے پالیسیاں بنانے اور بدلنے میں صرف کر دی جاتی ہیں۔ غرض یہ ایسی پراگندہ خیالی اور ایسے خلط مبحث کا دَور تھا جس کی الجھنوں میں آخر وقت تک مسلمان اصولی حیثیت سے یہ طے نہ کر سکے کہ ہم فی الواقع ہیں کیا اور ہمیں اس سر زمین میں اپنی کس حیثیت کو قائم کرنے کے لیے مجاہدہ کرنا چاہیے۔ یہ دَور اپنے دو لیڈروں کی وفات اور تیسرے لیڈر کی شخصیت کے انقلاب تام سے اختتام کو پہنچ چکا ہے اور ابھی کوئی تیسرا دَور کم از کم اتنی واضح امتیازی خصوصیات کے ساتھ شروع نہیں ہوا ہے کہ اس کے مزاج کی تشخیص کی جا سکے۔ بہرحال جو دَور بھی پیدا ہو گا اس کا گہرا تعلق اپنے قریب ترین ماضی سے ضرور رہے گا اور اس کے مسائل کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہو گا کہ سابق کا دَور جن معماروں کے ہاتھوں سے بنا تھا اُن کو، اور اُن کے خیالات اور اُن کے نقشوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

پروفیسر محمد سرور صاحب نے یہ ایک بڑی خدمت انجام دی ہے کہ دَورِ دوم کے فاتح، مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے مضامین مرتب کر کے شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابو الکلام اور اقبال اس دَور کے دماغ تھے مگر محمد علی اس کا دل تھا اور بڑا ہی متحرک دل۔ اُس کے اندر وضع احتیاط مفقود تھی، اس وجہ سے ہم اس کی تحریروں میں اُس کی شخصیت کو بالکل بے پردہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی سیرت، اس کے خیالات، اس کے عزائم، اس کے منصوبے، اور وہ طرز خاص جس سے وہ اپنے